قاآنی کا ایک قصیدہ

(در مدح مرزا تقی خاں)

(از آفتاب اختر صاحب (لکھنؤ یونیورسٹی))

مرزا حبیب قاآنی کا یہ قصیدہ اپنے اندازِ بیان اور دلپذیر اسلوب کے لحاظ سے صنفِ قصیدہ میں انفرادیت کا مالک ہے۔ یہ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا بہاؤ اس کی روانی اپنی نظیر آپ ہے۔ شاعر اس کے لئے وہ بحر استعمال کرتا ہے جس کا اتار چڑھاؤ شیریں ترنم کے لئے خصوصیت سے موزوں ہے۔ پھر الفاظ کے توازن اور تناسب سے مرصع بنا کر اس میں نغمہ و آہنگ کا خاص طور سے کیف پیدا کر دیا ہے۔

بہ چنگ بستہ چنگ ہا بہ نائی ہشتہ زنگ ہا   چکاوہا کلنگ ہا تدروہا ہزارہا
زنانی خویش فاختہ دو صد اصول ساختہ   ترانہ ہا نواختہ چہ زیر و بم تارہا

شاعر نے اس قصیدہ کی تشبیب بہاریہ رنگ کی لکھی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بہار کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ فطری ہے اور اس کے خط و خال کہیں سے بگڑے نہیں ہیں۔ غیر صحت مند مبالغوں سے زور پیدا کرنے کی اس میں کہیں بھی سعی نہیں کی گئی ہے۔ اس میں انھیں چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ایسے مقامات پر بہار کا عمل دخل ہونے کی وجہ سے پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

فراز خاک و خشت ہا دمیدہ سبزہ کشت ہا   چہ کشت ہا بہشت ہا نہ دہ نہ صد ہزار ہا

شعر مندرجہ بالا میں بہار کی چند جزئیات کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ مگر اس کے لئے وہ سیدھا سادہ اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے جس نے اسے بہت زیادہ رنگین بنا دیا ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ بہار کی سچی تصویر ہے۔

قاآنی نے جہاں جہاں تشبیہوں اور استعاروں سے اس قصیدہ کو سجایا ہے اس میں اس کا التزام رکھا ہے کہ وہ تشبیہیں بے مزہ تصنع کا نتیجہ نہ ہوں بلکہ مشبہ "مشبہ بہ" کے نقش کو اچھی طرح اجاگر کردے مثلاً مندرجہ ذیل تشبیہوں سے میرے اس خیال کی تصدیق ہو سکتی ہے ۔

زخاک رستہ لالہ ہا چو لُسّدیں پیالہ ہا بہ برگ لالہ ژالہ ہا چوں در شفق ستارہ ہا

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں لالہ کے پھول کو مونگے کے پیالوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں لالہ کی پنکھڑیوں پر شبنم کے قطروں کو ان تاروں سے مشابہ بتایا ہے جو شفق کی سرخی میں چمک رہے ہوں۔ اس طرح کی تمام تشبیہوں سے "مشبہ" کی تصویر بڑے جمیل انداز سے واضح اور روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ اور فن کارانہ ذوق کوثر و تسنیم کی موجوں میں ڈوبنے اور اچھلنے لگتا ہے ۔

اس قصیدے کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ شاعر کو زبان اور الفاظ پر کس قدر قدرت ہے۔ صرف قدرت ہی نہیں بلکہ استعمال کے بے پناہ سلیقے کا پتہ چلتا ہے۔ اسی کے ساتھ قاآنی کسی منظر کی تصویر کشی کے وقت جزئیات کا استقصا بڑے حُسن کے ساتھ کرتا ہے۔ اس طرح یہ امر بھی بخوبی ظاہر ہوجاتا ہے کہ شاعر ان الفاظ کا استعمال روایتی انداز میں نہیں کرتا ہے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُس نے خود مشاہدہ کیا ہے اور ان جزئیات کے باہمی فرق پر بھی نظر کی ہے ۔

نسیم روضۂ ارم جہد بہ مغز دم بہ دم زلبس دمیدہ پیش ہم بہ طرف جو بہار ہا
بہار ہا بنفشہ ہا شقیق ہا شگوفہ ہا شمام ہا خجستہ ہا اراک ہا عرار ہا

قاآنی نے ان اشعار میں مختلف قسم کے پھولوں کا ذکر کیا ہے اس سے اُس کی وسعتِ مشاہدہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس قصیدہ میں قاآنی نے کچھ صنعتیں بھی استعمال کی ہیں۔ صنعتوں کا استعمال بہت نازک چیز ہے۔ اگر انھیں سلیقے سے استعمال نہ کیا جائے تو بدمزہ آورد پیدا ہوجاتی ہے اور شعریت کا چہرہ مہرہ بھی بگڑ جاتا ہے مگر قاآنی کے یہاں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک جوئے خوش خرام ہے جو روانی کے ساتھ بہتی چلی جارہی ہے۔ اشعارِ ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

فرازِ سرو بوستاں نشستہ اند قمریاں چو مقریانِ نغز خواں بہ زمردیں منارہا

دو کوزہ شہد بر لبش دو چہرہ ماہ بخششش — نہفتہ زلف چوں شبش بہ تار ہا تتار ہا
نہ داد ماند و نہ دیں ز دیو پر شود زمیں — قند خمار ظلم و کیں بہ مغز ذوالخمار ہا
سیاہ مور در شکم کنند سرخ چہرہ ہم — چہ چہرہ؟ قاصد عدم۔ چہ مور؟ خیل مار ہا

ان تمام اشعار میں صنعتِ تجنیس کسی نہ کسی شکل میں پائی جاتی ہے۔ پہلے شعر کے (قمریاں اور مقریاں) میں دوسرے کے (تار اور تتار میں) تیسرے شعر کے (خمار اور ذوالخمار میں) چوتھے شعر کے (مور اور مار میں) صنعتِ تجنیس ہے لیکن اس قدر برجستگی کے ساتھ یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ اس طرف خیال ہی نہیں ہوتا کہ شاعر نے ان میں کوئی صنعت استعمال کی ہو۔ اس قصیدے میں ایک جگہ صنعتِ لف و نشر مرتب بھی بڑے حسن کے ساتھ استعمال کی ہے۔

خلیل را نواختی بخیل را گداختی — برائے ہر دو ساختی چہ تخت ہا چہ دار ہا

اس میں خلیل کے لئے "تخت" اور بخیل کے لئے "دار" لف و نشر مرتب کی عمدہ مثال ہے۔ بیشتر اشعار میں صنعتِ ترصیع بھی موجود ہے۔ مثلاً

فگندہ اند غلغلہ دو صد ہزار یک دلہ — بہ شاخ گل پی گلہ ز رنج انتظار ہا
رفیق جو شفیق خو عمیق لب شقیق رو — رقیق دل دقیق چہ مُو از مشکِ تار ہا
بہ طُرّہ کرد تعبیہ ہزار طبلہ غالیہ — بہ مژہ بستہ عاریہ پرندہ ذوالفقار ہا

قصیدے کا تار و پود بھی نہایت مستحکم ہے اس کے تسلسل کا رشتہ کہیں سے بھی نہیں ٹوٹتا۔ تشبیب کی ابتدا میں بہار کی رنگ آفرینیوں کا مزہ لے لے کر ذکر کیا ہے اور اسی دلآویز و دلنشین بہار میں ایک کرشمہ ساز خوش جمال دلبر کے آنے کا تذکرہ چھیڑ کر شاعر نے لطیف شاعرانہ انداز میں اس کے حسن و جمال اس کی مے گساری اور مے نوشی کا چرچا کرتے ہوئے شراب کی بھی خوب تعریف کر ڈالی ہے۔ اب یہیں سے آہستہ آہستہ شاعر قصیدے کے اس حصہ کی طرف آتا ہے جسے گریز کہا جاتا ہے۔ تشبیب کی طرح قصیدے میں گریز کا مقام بھی خاصا مشکل ہوتا ہے اس سے شاعر کی قوتِ شعر گوئی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

قاآنی نے یہ منزل بھی نہایت شان سے طے کی ہے۔ مست و سرشار محبوب قاآنی کو دعوت مے نوشی دیتا ہے۔ شاعر اس دعوت کو نہایت خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اپنے ممدوح مرزا تقی خاں کی مدح کی حدود میں داخل ہوتا ہے اور کہیں سے بھی اس کی طبیعت تھکتی محسوس نہیں ہوتی۔ ذیل کے اشعار سے گریز کی رعنائی اور برنائی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مرا بہ عشوہ گفت "ہی۔ ترا است ہیچ میل مے" — بگفتمش "بہ یاد کے" بگفت "بخش ہی بیار ہا"
خوش است امشب اے صنم خوریم مے بہ یاد جم — کہ گشتہ دولت عجم قوی چو کوہسار ہا
ز سعی صدر نامور بہین امیر دادگر — کز و کشودہ باب و در ز حصن از حصار ہا

قصیدے میں زیادہ تر مدح کا مقام کمزور ہوجاتا ہے اور ہم یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ یہاں شاعر کی قوتِ فکر تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ مدح میں بالعموم آورد کا زور ہوتا ہے۔ لیکن قاآنی کے اس قصیدہ میں یہ احساس پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس کے فکر کا مصور اپنے موئے قلم سے مدح کے نقوش میں اس زیبائی کے ساتھ رنگ بھرتا چلا جاتا ہے۔ وہی الفاظ کا شکوہ ہے۔ وہی ترکیبوں کی برجستگی ہے۔ وہی اندازِ بیان کا بانکپن ہے۔ وہی صنائع و بدائع کی حکومت ہے تشبیب و گریز کے بعد اہم مقام قصیدہ میں دعا کا ہوتا ہے۔ قاآنی نے اس مقام میں اپنی انفرادیت باقی رکھی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں نئے انداز سے دعا کی منزل طے کی ہے۔

ہمارہ تا بہ ہر خزاں شود زبادِ مہرگاں　　تہی ز رنگ و بو جہاں چو پشتِ سوسمارہا

آخر میں قاآنی کی اس خصوصیت کا ذکر بھی ضروری ہے کہ اس نے اپنے اور قصائد کی طرح اس قصیدہ میں بھی بہت سے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن کا شعر کی دنیا میں رواج نہیں ہے۔

خجستہ باد حالِ تو، ہزار قرن سالِ تو　　بہ ہر دل از خیالِ تو شگفتہ نوبہارہا

اس میں تشبیہ کی ندرت بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ شاعر نے دنیا کے رنگ و بو سے تہی ہونے کو سوسمار کی پیٹھ سے تشبیہ دی ہے۔ سوسمار کی پیٹھ نہایت مکروہ اور بے رنگ ہوتی ہے۔ اس تشبیہ سے خزاں کی دست برد کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

قاآنی نے (ہی، ہا) جیسے مکروہ الفاظ کو آزادی سے استعمال کیا ہے اور اپنی بے پناہ قوتِ تصرف سے کام لیکر انھیں ابتذال کی پستی سے نکال کر پاک و پاکیزہ الفاظ کی بلندی پر پہنچا دیا ہے۔ اس قصیدہ میں جمع کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اس سے قصیدہ کی دلکشی اور حسن میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے بعض مقامات پر "جمع" کا استعمال شاید حد سے تجاوز محسوس ہو۔ جیسے "صغارہا" اور "کبارہا"۔ "صغارہا" جمع ہے "صغیر" کی اور "کبارہا" جمع ہے "کبیر" کی۔ لیکن اس سے پہلے جتنے بھی لفظ آئے ہیں وہ سب واحد ہیں جیسے "خطیب" "ادیب" "اریب" "غریب" اس سے تھوڑا بہت توازن و تناسب کو بھی صدمہ پہونچتا ہے لیکن نکتہ چینی اور خوردہ گیری اس لئے نظر انداز کردینے کے قابل ہے کہ یہ تصرف حکیم قاآنی کا ہے جو متاخرین میں الفاظ اور زبان کا بادشاہ مانا گیا ہے۔ جو طوفانی ذہن و فکر کا مالک تھا۔ ایسی صورت میں اس کی طبع رواں کا بہاؤ ان چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کی پروا ہی کیا کرسکتا ہے اور ہمیں بھی اسے ایک صاحب زبان کا تصرف سمجھ کر خاموش ہوجانا پڑیگا۔ اسی طرح دعا کے دوسرے شعر کے اس ٹکڑے "ہزار قرن سالِ تو" کی مناسبت صاف طور سے سمجھ میں نہیں آتی۔

اس میں شک نہیں ہے کہ اس سے صنعتِ ترصیع اس مصرعہ میں پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن پہلا شعر ہمیشگی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور "ہزار قرن سالِ تو" وہ کتنی ہی طویل مدت سہی لیکن ہمیشگی کے تخیل میں اس سے خلل پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ بڑوں کی بڑی باتیں ہیں۔ ———— ۔ اس سلسلہ میں کسی قسم کی لب کشائی کی جسارت طالب علمانہ شوخی سے زیادہ کسی اہمیت کی مستحق نہیں ہے۔